Chapter. 7

باب هفتم

مذہبی نظریات

۱۔ مولانا آزاد بحیثیت عالم دین

۲۔ مولانا آزاد اور ترجمان القرآن

۳۔ مذہبی نظریہ

باب ھفتم

مذھبی نظریات

۱ . مولانا آزادؔ بحیثیت عالم دین:

مولانا آزادؔ بنیادی طور پر ایک بلند پایہ مفکر اور عالم دین تھے۔ وہ کئی لحاظ سے منفرد اور اپنی مثال آپ تھے۔ انہیں صرف سیاستدان سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ ان کی ذات میں علم و عرفان کی ایک وسیع دنیا آباد تھی۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی نے ان کے علمی تبحر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"خدا معلوم کتنے مختلف علوم اور متعدد فنون کے خزانے دماغ میں جمع ہوگئے تھے۔ اور ہر وقت مستحضر، طب ہو کہ الٰہیات، فقہ ہو یا کلام، شعروادب ہو یا موسیقی، تاریخ ہو کہ سیاست، جس فن سے متعلق جو بھی موضوع ہو، بس گفتگو چھیڑنے کی دیر تھی۔۔۔ تقریر بھی ایسی دل آویز مربوط کہ فصاحت و بلاغت بلائیں لیتی رہ جائے۔" (۱)

مولانا آزادؔ کی نگاہ قرآن، حدیث اور فقہ کے تمام دینی علوم پر یکساں تھی۔ اس کا ثبوت ان کے تفسیری مباحث میں بھی قدم قدم پر ملتا ہے۔اس کے علا وہ جدید علوم کا ادراک بھی انہیں حاصل تھا۔ ان کی اسی قرآنی بصیرت کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنے خاندان کے موروثی عقائد اور تقلید پرستی سے بیزار ہوگئے تھے اور مذہب کی اصل روح تک پہنچ گئے تھے۔ اس کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں۔

"میں موروثی عقائد پر قانع نہ رہ سکا۔ میری پیاس اس سے زیادہ نکلی۔۔۔ مجھے پرانی راہوں سے نکل کر خود اپنی نئی راہیں ڈھونڈھنی پڑیں۔۔۔ اب معلوم ہوا کہ آج تک جسے مذہب سمجھتے آئے تھے وہ مذہب کہاں تھا وہ تو خود ہماری وہم پرستیوں اور غلط اندیشیوں کی ایک صورت گری تھی۔" (۲)

---

(۱) فکر و نظر۔ سہ ماہی (ابوالکلام آزاد نمبر) علی گڈھ ۱۹۸۹ء مولانا آزادؔ کا علمی تبحر۔ خلیق احمد نظامی (ص۔ ۲۲)

(۲) گلبن (دو ماہی) مارچ تا اپریل ۱۹۹۰ء (ص۔ ۲۹)

مولانا آزاد ہمیشہ تقلید کے جمود سے گریزاں رہے۔ تقلیدی اور موروثی عقائد کو وہ افراد کی ذلت قرار دیتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"جس حال میں رہے، نقص و ناتمامی سے دل کو ہمیشہ گریز رہا اور شیوۂ تقلید روش عام سے پرہیز، جہاں کہیں رہے اور جس رنگ میں بھی رہے، کبھی دوسرے کے نقش قدم کی تلاش نہ ہوئی، اپنی راہ خود ہی نکالی اور دوسروں کے لئے اپنا نقش قدم رہنما چھوڑا۔" (۳)

ابتدا ہی سے خاندان کی قدامت پرستی سے بیزاری، سر سید کی عقلیت پسندی اور فلسفے نے مل جل کر مولانا آزاد کی شخصیت میں علمی رنگ ضرور بھرا۔ لیکن بہت جلد انہوں نے اپنے عمیق مطالعے اور غور وفکر سے اپنی راہ خود نکال لی اور سچّی مذہبیت کا سراغ پالیا۔ انہوں نے کسی مدرسے یا اسکول میں باضابطہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی جیسا کہ وہ خود اقرار کرتے ہیں۔

"آپ پوچھتے ہیں مغرب ومشرق کے کن دارالعلوموں میں ادنیٰ یا اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ گذارش ہے کہ الحمد اللہ کسی میں نہیں، البتہ رب المغربین اور رب المشرقین کی اس درس گاہ میں فیضیاب ہوا جس نے اپنی نسبت کہا ہے کہ بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور ہدایت اور ہر بات کو بیان کرنے والی کتاب آئی ہے، اللہ اس سے سلامتی کے رستوں کی ہدایت اس شخص کو دیتا ہے جو اس کی رضا مندی پر چلتا ہے اور ان کو اپنے حکم کے ذریعے جہل وضلالت کی تاریکی سے نکال کر علم کی روشنی بخشتا ہے اور مختصر یہ کہ صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔ جب اس درسگاہ الہیٰ کا دروازہ مجھ پر کھل گیا، تمام کاغذ کی سند دینے والی انسانی دار العلوموں سے بے نیاز ہو گیا ہوں۔" (۴)

مولانا آزاد نے فلسفیانہ تحقیق کے ذریعے مقصد حیات کا سراغ لگانے کی کوشش کی اور تاریخ کی روح کو سمجھنے کی بھی سعی کی۔ اس روحانی کیفیت نے ان کے دل میں تڑپ پیدا کردی۔ اپنے دل کی بے تابی اور سوزوگداز کو انہوں نے انسانی معاشرے کی اصلاحی کوششوں میں لگا دیا اور اپنے مخصوص انداز سے قوم و ملت کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی۔ "الہلال" میں وہ تحریر فرماتے ہیں۔

---

(۳) انتخاب تذکرہ (مولاناابوالکلام آزاد) مرتبہ پروفیسر محمود الہیٰ (ص۔ ۸۱)

(۴) مولاناابوالکلام آزاد (شخصیت اور کارنامے) مرتبہ خلیق انجم۔ مولانا آزاد کی مذہبی فکر۔ صباح الدین عبدالرحمٰن (ص۔۲۸۸)

"میں وہ صور کہاں سے لاؤں، جس کی آواز چالیس کروڑ دلوں کو خواب غفلت سے بیدار کردے؟ میں اپنے ہاتھوں میں وہ قوت کیسے پیدا کروں، جن کی سینہ کوبی کے شور سے سرگشتگان خواب موت بیدار اور ہوشیار ہوجائیں؟" (۵)

ڈاکٹر عابد حسین نے مولانا آزاد کے عالمانہ پیغام اور اس زمانے کے ملکی و ملّی حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔

"اس صدی کے شروع میں ہندوستان کے مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانے اور ان کے مردہ دلوں میں زندگی کی روح پھونکنے کے لئے تین آوازیں بلند ہوئیں۔ ایک اقبال کی بانگ درا، ایک محمد علی کا نعرۂ تکبیر اور ایک ابوالکلام کا رجز۔ ممکن ہے لفظوں کے پرستاروں کو ان تینوں کے پیغاموں میں فرق معلوم ہوتا ہو مگر معنی کے محرم، تینوں کی زبان سے ایک ہی بات سنتے اور اس کا ایک ہی مطلب سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ دین کی کنجی سے دنیا کا دروازہ کھولو اور اسلام کے اسم اعظم سے آفاق کو تسخیر کرلو۔" (۶)

مولانا آزاد مذہب کو سیاست سے الگ تصور نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ بیرونی ممالک اور اسلامی ممالک کی سیاسی اور مذہبی تحریکوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کے اثرات و نتائج سے بھی وہ پوری طرح باخبر رہتے تھے۔ انہوں نے عالم اسلام کی تحریکوں کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ وہ خود کہتے ہیں۔

"اس قدر کثرت کے ساتھ میں وہاں کے حالات و مباحث کا مطالعہ کرتا رہا کہ شاید ہندوستان میں اور کسی کو اتفاق ہوا ہو۔" (۷)

مولانا آزاد مسلمانوں کو بھی ان حقائق سے آگاہ کرانا چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمان اپنی روحانی حقیقت سے غافل ہوکر راہ حق سے بھٹک گئے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ اگر مسلمان دین حق پر عمل پیرا ہوگئے تو وہ ملک کی تعمیر و ترقی میں نمایاں حصہ لے سکتے ہیں اور ان میں خود اعتمادی پیدا ہوگی تو وہ اپنے اسلاف کی طرح تاریخ میں نمایاں اور عہد آفرین کارنامہ

---

(۵) آثار ابوالکلام آزاد (ایک نفسیاتی مطالعہ) قاضی محمد عبدالغفار (ص ـ ۱۶۵)

(۶) مولانا ابوالکلام آزاد (شخصیت اور کارنامے) مرتبہ خلیق انجم۔ مولانا آزاد کی مذہبی فکر۔صباح الدین عبدالرحمٰن (ص ص۔۳۰۵۔۳۰۴)

(۷) آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی بہ روایت عبدالرزاق ملیح آبادی (ص ـ ۲۷۷)

انجام دے سکیں گے۔
مولانا جید عالم تھے۔ ان کی علمیت کا اندازہ ان کے ہم عصر دوست دشمن سبھی کو تھا۔ گاندھی جی بھی مولانا کو ان کی علمیت کی وجہ سے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کی علمیت کا اعتراف کرتے ہوئے گاندھی جی رقمطراز ہیں۔

"مجھے ۱۹۲۰ء سے قومی کام میں مولانا آزاد کے ساتھ وابستہ رہنے کا فخر حاصل رہا۔ اسلام کے بارے میں ان سے زیادہ معلومات کسی کو حاصل نہیں ہیں۔ عربی زبان کے وہ بہت بڑے عالم ہیں۔ ان کی دیش بھگتی اس طرح پختہ ہے جس طرح ان کا اسلام میں عقیدہ۔" (۸)

مولانا آزاد کی دانشوری ہمہ گیر تھی۔ ادب، فلسفہ، مذہب، سائنس غرضیکہ جس موضوع پر گفتگو کرتے اس پر ایسا عالمانہ تبصرہ کرتے کہ سننے والے حیرت و استعجاب میں پڑجاتے۔ ایران کے ایک عالم سعید نفیسی نے ان کی عالمانہ گفتگو کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے۔

"مولانا کی گفتگو سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ انہوں نے فلاسفۂ اسلام کی تصانیف اور خصوصاً فارسی اور عربی شعراء کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ انہیں ان فلاسفہ و شعراء کی کتابوں کی تعداد تک بھی یاد تھی۔ وہ ایران کی تاریخ اور جغرافیہ سے بھی پوری طرح واقف تھے۔۔۔ وہ مجھ سے حکمت اشراق، شہاب الدین سہروردی، کتاب اصول کافی، حدیقہ سنائی اور عطار کی مثنوی پر گفتگو کرتے۔۔۔ اپنی زندگی میں مشرق، مغرب، شمال اور جنوب کے بہت سارے علماء سے ملا ہوں۔ ان سے میری ملاقات ایشیا، افریقہ اور یوروپ میں ہوئی ہے۔ ان میں سے بہتوں کو بہت قریب سے جانتا ہوں۔۔۔ مگر میری نظر میں ساری دنیا کے جلیل القدر علماء میں مولانا ابوالکلام آزاد کا بہت بڑا مرتبہ تھا۔ ان کا نام صدیوں روشن رہے گا۔" (۹)

درحقیقت مولانا آزاد فہم قرآنی کو عطیۂ الٰہی سمجھتے تھے۔ اور انہیں تاریخ اسلام کے بعض اکابرین کی طرح یہ یقین تھا کہ خدا ان سے کوئی خدمت لینا چاہتا ہے۔ وہ خود کہتے ہیں۔

"اگر تم کہو۔۔۔ حقائق و معارف قرآن کی طرف رہنمائی کی ایک فضل مخصوص ہے۔ جس کے انکشاف کے لئے خدائے تعالیٰ نے اس عاجز اور درماندہ قلب کو چن لیا تو یہ فی الحقیقت

---

(۸) مولانا ابوالکلام آزاد (شخصیت اور کارنامے) مرتبہ خلیق انجم (ص ص - ۴۴ - ۴۳)
(۹) مولاناابوالکلام آزاد فکر و نظر کی چند جہتیں - ضیاء الحسن فاروقی (ص- ۳۷)

سچ ہے۔" (۱۰)

مولانا آزاد کا عقیدہ تھا کہ زندگی کے ہر شعبے اور ہر راستے میں قرآن ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اسی لئے ان کی سیاسی، سماجی، تاریخی اور ادبی تحریروں میں قرآن حکیم کے سب سے زیادہ حوالے ملتے ہیں۔ وہ اپنی تحریروں میں ایک ہی خیال کو پھیر پھیر کر نئے نئے پیرائے سے بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ سمجھ سکیں اور عقل و بصیرت حاصل کر سکیں۔ رشید احمد صدیقی کا خیال تھا کہ مولانا نے اپنی تحریر کا انداز، لب ولہجہ اور مزاج قرآن حکیم سے لیا تھا اور وہ پہلے اور آخری شخص تھے جنہوں نے براہ راست قرآن کو اپنے اسلوب کا سر چشمہ بنایا تھا۔

مولانا آزاد نے رانچی میں اپنے قیام کا جو زمانہ گذارا، اس میں ان کی بیشتر محنت وخدمت تعلیمی کاموں میں صرف ہوئی۔ وہاں انہوں نے انجمن اسلامیہ کی بنیاد ڈالی اور کئی مدارس قائم کئے۔ان مدارس میں مولانا کی وجہ سے بہت سے علماء شریک ہونے لگے تھے۔جمشید قمر اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں۔

"رانچی میں تعلیمی کانفرنسوں کے انعقاد کے ذریعے بنگالی اور دیگر صوبوں خاص طور پر بہار کے علماء اور اصحاب نظر کو مولانا آزاد نے قدیم تعلیم کی اصلاح اور نئی تعلیم کے فروغ کے کاموں کی طرف توجہ دلائی۔ساتھ ہی علماء کی انجمن اور امارت شرعیہ کے قیام کا ایک خاکہ بھی ان کے سامنے پیش کیا۔"(۱۱)

مولانا آزاد نے اپنے غیر معمولی علوم قدیمہ وجدیدہ اور اپنی عالمانہ بصیرت سے لوگوں میں اصلاح و بیداری پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔رانچی میں قیام کے دوران ان کی علمیت کا سب سے بڑا علمی وادبی کارنامہ ترجمان القرآن ہے۔اس گراں بہا تفسیری سرمایہ سے مولانا کی ہمہ گیر علوم پر دسترس اور مذہب اسلام پر ان کی راسخ الاعتقادی کا پتہ چلتا ہے۔مولانا سید سلیمان ندوی ان کی علمی ومذہبی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"زمانۂ قیام رانچی میں ایک سال تک جامع مسجد میں مولانا نے مسلمانوں کو قرآن مجید کا درس دیا۔زیادہ تر اوقات تالیف و تصنیف میں بسر ہوئے۔"ترجمان القرآن"اس زمانہ میں ختم

---

(۱۰) فکر و نظر سہ ماہی (ابوالکلام آزاد نمبر) علی گڑھ ۱۹۸۹ء۔مولانا آزاد کا علمی تبحر۔خلیق احمد نظامی (ص۔ ۳۰)

(۱۱) مولانا آزاد کا قیام رانچی (احوال و آثار) جمشید قمر (ص ۔ ۱۳)

ہوا۔ "البیان" تفسیر قرآن میں ایک جامع تصنیف کا سلسلہ ۲۳ پاروں تک پہنچا۔ فقہ اسلامی پر بغیر فریقانہ تعصب کے صرف کتاب و سنت کو پیش نظر رکھ کر متعدد رسائل "الصلوٰۃ"، "الزکوٰۃ"، "الحج"، "النکاح" ترتیب دئے۔ سوانح مجددین کا سلسلہ شروع کیا اور اس میں علامہ ابن تیمیہؒ، علامہ ابن قیمؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے سوانح قلمبند کئے۔ ایک رسالہ منطق اور بعض دوسرے عنوانات علمی پر تحریر کیا۔ ان سطروں کو لکھتے وقت مجھے یہ دھوکا ہو رہا ہے کہ آیا میں خود ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ یا شمس الائمہ سرخسی اور امیہ بن عبد العزیز اندلسی کے حالات تو نہیں لکھ رہا ہوں۔"(۱۲)

اجتہاد فکر اور جذبہ تجسّس، وسیع النظری اور غائر مطالعہ، جدید علوم پر دسترس اور تحقیقی جذبہ ،زور قلم اور دلچسپ انداز بیان مولانا آزاد کی وہ خصوصیات ہیں جو ان کے ہر علمی و ادبی تحریروں میں نمایاں طور پر آتی ہیں اور یہی خصوصیات انہیں، انکے ہم عصر دیگر علماء و مصنفین سے منفرد کر دیتی ہے۔ ان کی مذکورہ خصوصیات ترجمان القرآن میں جابہ جانمایاں ہیں۔ غالباً اسی لئے سجاد انصاری کو کہنا پڑا۔

"مولانا آزاد قرآن لے کر اٹھے تو مسلمان مبہوت ہوگئے کہ تیرہ سو برس کے صحیفے میں حال ہی کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے نکات وحقائق پوشیدہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا ابوالکلام کی شخصیت ان بلند نظر شخصیتوں میں سے ہے جن کی عظمتوں کا محاصرہ نہیں کیا جا سکتا۔ دور جدید میں مذہب کو اگر کسی نے سیاست سے صحیح طور پر ملا دیا ہے اور علماء کے کھوئے ہوئے اقتدار کو دوبارہ حاصل کر لیا ہے تو وہ تنہا ابوالکلام آزاد ہیں۔"(۱۳)

حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد کی قرآنی فکر اور مذہبی نظریات کی تعمیر و تشکیل میں ابتدائی خارجی محرکات کے ساتھ مولانا کے باطنی میلان،اندرونی ہیجان اور مذہبی رجحان نے انہیں عالم بے بدل بنا دیا۔ مولانا کی وفات پر ان کی علمی صلاحیتوں کو واضح کرتے ہوئے جواہر لال نہرو نے تعزیتی تقریر میں کہا تھا۔

"دوسرے بھی عالم ہیں ،دوسرے بھی مصنف ہیں اور خطیب بھی ہیں لیکن مولانا آزاد میں

---

(۱۲) مولانا ابوالکلام آزاد۔ تحریک آزادی و یکجہتی، مرتبہ خان عبدالودود خان (ص ص۔ ۸۔ ۷)

(۱۳) کمال ابوالکلام آزاد۔ علی جواد زیدی (ص۔ ۱۲۴)

ماضی اور حال کی عظمت یک جا موجود تھی۔۔۔ ماضی کے ان ہی صفات حمیدہ ،لطف وحلاوت، عمیق علم، رواداری، تحمل اور زمانہ حال کی محرکات کا فہم اور ان سب صفات کی ایک نادر اور بے مثل ترکیب نے مولانا آزاد کو وہ مقام بخشا تھا جس پر وہ فائز تھے۔"(۱۴)

مولانا آزاد کی علمیت کا احاطہ کرنا آسان نہیں ہے۔ مختصراً یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنی روحانی زندگی کی پاکیزگی کا جو معیار و انداز اختیار کیا وہ صرف ایک عالم دین کا تھا۔ وہ ایک ایسے عالم دین تھے جنہوں نے شریعت پر کار بند رہتے ہوئے انبیاء و رسل کے مشن کی تعمیل کی۔ انہوں نے عبادت کے ساتھ انسانی زندگی کے عام معاملات میں بھی رہنمائی کی اور اپنے اخلاقیات کو سیاسیات تک لے جاکر ملک کی جدوجہد آزادی میں جہاد کیا، جس کا ثبوت "ترجمان القرآن" اور "الہلال" کی تحریریں ہیں۔ ان تحریروں کے ذریعے انہوں نے انسانی زندگی کے تمام تر فطری پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے اور معاشرے کی اصلاح کے لئے حتی المقدور کوشش کی ہے جسے کوئی دوسرا نہیں کر سکا۔

ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے لئے بھی وہ اسی طرح کوشاں رہے جس طرح معاشرے کی اصلاح اور قومی یک جہتی کے لئے ۔حزب اللہ کی اسلامی جمعیت کو خیر باد کہہ کر وہ کانگرس پارٹی میں شامل ہوئے۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ کانگرس اس زمانے میں قوم کے تحفظ کے علاوہ تحریک آزادی کے لئے سب سے فعال تنظیم تھی اور اس کی حکمت عملی مولانا آزاد کے نزدیک دین و ایمان کے اعتبار سے مانع نہیں تھی۔ اس طرح وہ ابتدا میں صرف زبردست عالم دین تھے لیکن کانگریس میں شامل ہوکر ایک مکمل سیاستدان کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آئے۔ مولانا کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے دینی علوم اور سیاست کے حسین امتزاج کی مثال قائم کر دی۔ مذہب اور سیاست کے متوازن باہمی اشتراک نے انہیں "امام الہند" بنا دیا۔

بحیثیت عالم دین مولانا آزاد کی امامت محدود نہیں تھی بلکہ اس میں ہمہ گیریت تھی، جس نے عالمی برادری کو دائرۂ انسانیت میں سمو لیا اور بغیر کسی تعصب و تنگ نظری کے اپنی تمام تر بے لوث اور بے غرض خدمات ملک و ملت کے لئے وقف کر دیں ۔انہوں نے غلامی کو ذلت قرار دیتے ہوئے تشکیک و تذبذب کا راستہ چھوڑ کر ایمان و یقین کا راستہ اپنانے پر زور دیا۔انہوں نے

(۱۴) مولانا ابوالکلام آزاد۔ فکر و نظر کی چند جہتیں۔ ضیاء الحسن فاروقی (ص۔ ۳۵)

اپنی تقریروں، تحریروں اور سرگرمیوں سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ بجا طور پر ایک جید عالم دین تھے۔

۲. مولانا آزادؔ اور ترجمان القرآن:

مولانا آزادؔ کی تمام علمی و ادبی تحریروں میں قرآن حکیم کی تفسیر ترجمان القرآن شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ دراصل مولانا سرزمین مکہ میں ایسے خاندان میں پیدا ہوئے تھے جو اپنی دینی و علمی خدمات کے لئے مشہور تھا۔ بچپن ہی سے انہوں نے قرآن حکیم کے اسرار و رموز کو انتہائی غوروفکر سے سمجھنے کی کوشش کی۔ کلام الٰہی سے ان کا شغف اتنا بڑھا ہوا تھا کہ وہ اپنی زندگی کے ہر دور میں اور اپنی سرگرمی کے ہر گوشے میں قرآن حکیم ہی سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ اپنی زندگی کی حقیقت و صداقت کو بھی انہوں نے قرآنی بصیرت کی روشنی میں سمجھنے کی سعی کی۔ ان کی تحریروں اور تقریروں میں جابہ جا آیات قرآنی کے حوالے اس امر کی ترجمانی کرتے ہیں کہ ان کے ذہن و دل پر اس کا زبردست اثر تھا۔ درج ذیل اقتباس سے قرآن حکیم سے ان کے بے پناہ شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"قرآن حکیم کی تعلیمات کریمہ کے جو حقیقی معارف و بصائر تھے اور جن مقاصد کے عظمیٰ کے لئے اس کا نزول ہوا تھا وہ صدیوں سے بالکل بھلا دئے گئے ہیں اور یقیناً وہ وقت آگیا ہے جس کی نسبت کہا جاتا تھا کہ انوار و برکات زمین سے اٹھا لئے جائیں گے اور جب لوگ تلاوت کے لئے صحائف کھولیں گے تو اس کے اوراق کو بالکل سادہ اور غیر منقوش پائیں گے۔" (۱)

مولانا آزادؔ زندگی کا ایک خاص نظریہ رکھتے تھے جو سرتاسر قرآنی تعلیمات سے ماخوذ تھا۔ وہ قرآن حکیم کی تعلیمات کو عوام تک پہنچانا چاہتے تھے اور اسلام کی صداقت کو نئے سرے سے دنیا کے سامنے آشکار کرنا چاہتے تھے۔ ان کا نصب العین یہ تھا کہ دین اسلام میں اجتہاد کر کے ملت اسلامیہ کی تجدید اور انسانیت کی نشاۃ ثانیہ کا سامان مہیا کریں۔ انہی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے اپنی مایۂ ناز تصنیف "ترجمان القرآن" کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔

عالم اسلام کی معروف و ممتاز شخصیتوں میں شاہ ولی اللہؒ سے مولانا کو بہت عقیدت تھی۔ وہ اسی ولی اللّٰہی فکر کے ترجمان و شارح کہے جاسکتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ سے اپنی بے پناہ عقیدت کا

---

(۱) مولانا ابوالکلام آزادؔ (فکر و فن) ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد (ص ۔ ۱۳۵)

اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''ان بزرگان دین جنہوں نے ہندوستان میں قرآن و حدیث کے ترجمے کی بنیاد جرأت و ہمت کے ساتھ ڈالی، شاہ ولیؒ اللہ کا نام سرفہرست ہے۔'' (۲)

دیگر علمائے اسلام اور ان کی تفاسیر قرآنی کے متعلق مولانا آزاد کہتے ہیں۔

''اور لوگ بھی بیکار نہ رہے، کام کرتے رہے، مگر جو کام یہاں انجام پایا وہ صرف یہیں کے لئے تھا۔'' (۳)

ان بیانات کی روشنی میں بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس وقت تک کے موجود تفاسیر سے مولانا کو اطمینان نہیں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ان تفاسیر سے عام آدمی الجھ کر رہ جاتا ہے اور قرآن حکیم کی روح تک نہیں پہنچ پاتا۔ دراصل مولانا آزاد جید عالم دین اور زبردست مفکر تھے، علوم قدیمہ اور جدید علوم پر انہیں یکساں دسترس حاصل تھی۔ چنانچہ وہ قرآن فہمی کو آسان بنانا چاہتے تھے۔ قرآن فہمی سے ان کی مراد یہ ہے کہ انسان اپنی متاع گم گشتہ یعنی خدا اور انسان کے باہمی تعلق کی صحیح بازیافت کرے اور اس تعلق کو اپنا کر اس رشتہ کو مضبوط سے مضبوط تر کرے۔ لہٰذا انہوں نے بقدر ضرورت قرآن کا ایک ایسا ترجمہ اور تشریح کرنے کا تہیہ کیا جس سے احکام الٰہی کے مطالب بھی واضح ہوجائیں اور جو عام فہم بھی ہو۔ ''ترجمان القرآن'' انہی تصورات کی عملی شکل ہے۔

مولانا آزاد ''الہلال'' کے دور ہی سے قرآن کا ترجمہ و تفسیر لکھنے کا ارادہ کررہے تھے۔ نومبر ۱۹۱۵ء میں ''البلاغ'' کے پہلے شمارے میں انہوں نے اس کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ اس کتاب میں انہوں نے جس قدر کدوکاوش، عرق ریزی اور تلاش و جستجو کی ہے اور جتنا وقت صرف کیا ہے وہ ان کی کسی دوسری کتاب پر صرف نہیں ہوا ہے۔ ترجمان القرآن کے دیباچے میں انہوں نے اپنی انتہائی کدوکاوش اور انکساری کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''کامل ستائیس برس سے قرآن میرے شب و روز کے فکرونظر کا موضوع رہا ہے۔ اس کتاب کی ایک ایک سورت، ایک ایک مقام، ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ پر میں نے وادیاں

---

(۲) مولانا ابوالکلام آزاد (فکروفن) ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد (ص۔ ۳۲۷)

(۳) مولانا آزاد فکرونظر کے آئینے میں۔ جاوید وشٹ (ص۔ ۲۷)

قطع کی ہیں اور مرحلوں پر مرحلے طے کئے ہیں۔ تفاسیر و کتب کا جتنا مطبوعہ وغیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کا بڑا حصہ میری نظر سے گذر چکا ہے اور علوم قرآن کے مباحث و مقالات کا کوئی گوشہ نہیں جس کی طرف حتی الوسع ذہن نے تغافل اور جستجو نے تساہل کیا ہو۔" (۴)

مولانا آزاد نے ۱۹۰۳ء سے ۱۹۳۰ء تک کامل ستائیس برس قرآن کے سنجیدہ اور عمیق مطالعے میں گذارنے کے بعد یہ معرکتہ الآرأ تصنیف "ترجمان القرآن" لکھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس تصنیف میں ان کی عمیق تحقیقی نظر اور مجتہدانہ بصیرت نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ انتہائی دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی اتنے برسوں کی کدوکاوش اور تلاش و تحقیق کے باوجود "ترجمان القرآن" مکمل شکل میں ہمارے سامنے موجود نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ان کی تحریروں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے پورے قرآن کے ترجمہ اور تفسیر کو ایک سے زیادہ بار مکمل کیا لیکن حکومت کی طرف سے متعدد بار کی گرفتاریوں اور تلاشیوں کی وجہ سے ترجمان القرآن کے مسودے کے اوراق ضبط ہو کر ضائع ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ بعض ضبط شدہ حصے پولیس کمشنر کے دفتر میں نذر آتش بھی ہوئے۔ اس صورتحال اور اس کے نتیجے میں پیدا شدہ درد و کرب کو مولانا آزاد یوں بیان کرتے ہیں۔

"یہ میرے صبر و شکیب کے لئے زندگی کی سب سے بڑی آزمائش تھی۔ سیاسی زندگی کی شورشیں اور علمی زندگی کی جمعیتیں ایک زندگی میں جمع نہیں ہوسکتیں۔۔۔ میں نامراد ایک طرف متاع فکر کے انبار لگاتا رہا، دوسری طرف برق خرمن سوز کو بھی دعوت دیتا رہا۔ نتیجہ معلوم تھا۔۔۔ اب ترجمان القرآن اور تفسیر کی ہستی اس کے سوا ممکن نہ تھی کہ ازسرنو محنت کی جائے لیکن اس حادثے کے بعد طبیعت کچھ اس طرح افسردہ ہوگئی کہ ہر چند کوشش کی مگر ساتھ نہ دے سکی۔" (۵)

نتیجہ یہ ہوا قرآن حکیم کی تفسیر صرف اٹھارہ پاروں تک پہنچ سکی اور ترجمان القرآن مکمل شکل میں ہمارے سامنے نہیں آسکا۔ مولانا آزاد کی زندگی میں اس کتاب کی صرف دو جلدیں شائع

---

(۴) انتخاب تذکرہ (مولانا ابوالکلام آزاد) مرتبہ پروفیسر محمود الٰہی (ص ۔ ۱۱۰)

(۵) ایضاً (ص ص ۔ ۱۰۹ ۔ ۱۰۸)

ہوسکیں۔ پہلی جلد میں سورۂ فاتحہ کی تفصیلی تفسیر کے ساتھ قرآن مجید کی چھٹی سورت الانعام تک کا ترجمہ اور تشریح ہے۔ دوسری جلد میں سورۃ المومنون تک کا ترجمہ اور تفسیر ہے۔ ان کے انتقال کے بعد سورۃ النور کا تشریحی ترجمہ بھی مل گیا جسے ترجمان القرآن کے نئے اڈیشن میں شامل کردیا گیا۔ ان کے قریبی عقیدت مند مولاناغلام رسول مہر نے ان کی بکھری ہوئی تحریروں میں سے بقیہ پاروں کی تشریح و ترجمہ کو یکجا کرکے "باقیات ترجمان القرآن" کے نام سے ۱۹۶۲ء میں شائع کردیا۔ ساہتیہ اکادمی دہلی کی جانب سے "ترجمان القرآن" جدید ترتیب کے لحاظ سے چار جلدوں میں متعدد بار شائع ہوچکا ہے۔

مولانا آزاد نے اس گراں قدر تصنیف کو کسی دوست، عزیز، عالم یا رئیس کے نام سے منسوب نہیں کیا بلکہ اس غریب گمنام اجنبی کے نام کیا جو کسی دوسرے ملک سے سینکڑوں میل پیدل چل کر ان کے پاس علم اور دینی ہدایات حاصل کرنے آیا تھا۔ مولانا آزاد ترجمان القرآن کے بارے میں دیباچے میں لکھتے ہیں۔

"ترجمان القرآن کی ترتیب سے مقصود یہ تھا کہ قرآن کے عام مطالعہ و تعلیم کے لئے ایک درمیانی ضخامت کی کتاب مہیا ہو جائے۔" (۶)

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کے علمی و ادبی کارناموں میں "ترجمان القرآن" نہ صرف اپنی ضخامت کے اعتبار سے بلکہ اپنی قدروقیمت کے لحاظ سے بھی ایک یادگار اور سدابہار کارنامہ ہے۔ خلیق احمد نظامی ترجمان القرآن کی خصوصیات پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"مولانا کا ترجمان القرآن تفسیری سرمایہ میں ایک گراں بہا اضافہ ہے۔ اس کی دو امتیازی خصوصیات ہیں۔ اس زمانے تک جو تفسیری لٹریچر وجود میں آیا تھا، اس کا بیشتر حصہ مولانا کے پیش نظر تھا۔ دوسری طرف عصری، فکری تقاضوں اور سماجی ضروریات پر ان کی گہری نظر تھی۔ تاریخ اسلام میں علم کلام کی خدمات وہی علماء انجام دے سکتے ہیں۔ جو ماضی سے واقف ہوں اور اپنے زمانے کی نبض پر ان کا ہاتھ ہو۔" (۷)

"ترجمان القرآن" میں مولانا آزاد نے اپنی علم و بصیرت اور استعداد و صلاحیت کا اس

---

(۶) ترجمان القرآن (جلد سوم) مولاناابوالکلام آزاد (ص ۔ الف)

(۷) فکرونظر سہ ماہی (ابوالکلام آزاد نمبر) علی گڈھ۔ ۱۹۸۹ء مولانا آزاد کا علمی تبحر۔ خلیق احمد نظامی (ص۔ ۳۰)

طرح استعمال کیا ہے جس سے قرآن فہمی کی توضیح و تشریح عام فہم ہوگئی۔ ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ایک طرف تو اس فطریت اور سادگی کا سر رشتہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا جو قرآن کے اسلوب کی نمایاں خصوصیت ہے اور دوسری طرف جہاں کہیں قرآن کی کسی تاریخی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے سائنٹیفک طریقۂ استدلال کی ضرورت ہوئی ہے وہاں تحقیق و تدقیق کے ذریعے اس کا حق ادا کردیا ہے۔ بقول علی جواد زیدی۔

"انہوں نے جو کچھ بھی لکھا اور جس نکتے کو ان کے قلم نے جس انداز میں چھوا، اس سے ایک جدید ذہن جھلکتا نظر آتا ہے۔ خاص کر ان معنوں میں کہ ان کا نقطۂ نگاہ تاریخی بنا رہتا ہے۔ وہ قدیم ترین ماخذ کی طرف رجوع کرتے ہیں لیکن بعض محدثین کی طرح نظر میں تنگی پیدا نہیں ہونے دیتے۔" (۸)

بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ مولانا آزاد نے قرآنی تعلیمات کی اندورنی روح کو سمجھنے میں اپنی زندگی کا بڑا حصہ صرف کیا تھا اور انہی تعلیمات کو انہوں نے عہد جدید کی تاریخی حقیقت کی روشنی میں پرکھ کر اپنے مخصوص انداز بیان میں لوگوں کے سامنے "ترجمان القرآن" پیش کیا تھا۔

"ترجمان القرآن" میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت کا بے مثال کارنامہ ہے ۔اس تفسیر میں انہوں نے فلسفے اور سائنس کا اس خوش اسلوبی سے سہارا لیا ہے کہ وہ انسانی فطرت اور وجدان کی بیداری کے ساتھ ساتھ عقل کی تسکین کا سامان بھی بن گیا ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین اصلاحی اس سلسلے میں رقمطراز ہیں ۔

"ترجمان القرآن میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر مولانا کا شاہکار ہے ۔خاص طور پر صفات الٰہی کے مسئلہ پر جو معرکتہ الآرأ بحث کی گئی ہے وہ اردو تو کیا عربی میں بھی نہیں ملتی۔"(۹)

سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں مولانا آزاد نے خدا کی تینوں صفات یعنی ربوبیت ،رحمت اور عدالت پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس تفسیر میں مولانا کا اصلی اصرار توحید پر ہے اور توحید پر اصرار تمام ادیان کا مشترک پیغام رہا ہے اگرچہ بعد میں آنے والوں نے اسے مسخ کر دیا ۔ان کے نزدیک اسلام توحید کے معاملے میں کسی سمجھوتے پر تیار نہیں اور اس کا توحید کا تصور

---

(۸) کمال ابوالکلام آزاد ۔ علی جواد زیدی (ص ۔ ۱۳۲)

(۹) ہماری زبان (ہفت روزہ) دہلی ۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۹۸ء (ص۔ ٦)

ہر آمیزش سے مبرا ہے ۔چنانچہ فرماتے ہیں ۔

”وہ (قرآن مجید) نظام ربوبیت سے توحید الٰہی پر استدلال کرتا ہے۔ جو رب العالمین تمام کائنات ہستی کی پرورش کر رہا ہے اور جس کی ربوبیت کا اعتراف تمہارے دل کے ایک ایک ریشے میں موجود ہے، اس کے سوا کون اس کا مستحق ہو سکتا ہے کہ بندگی و نیاز کا سر اس کے سامنے جھکایا جائے؟“(۱۰)

ترجمان القرآن کی پہلی جلد کی اشاعت کے بعد سورۂ فاتحہ کی تشریح وتوضیح کے متعلق بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ مولانا آزاد نجات کے لئے صرف عقیدۂ توحید اور صالح عمل کو کافی سمجھتے ہیں اور نبوت ورسالت کے اقرار کو ضروری نہیں سمجھتے ۔ان کے نزدیک نجات کے لئے عقیدۂ توحید ہی سب کچھ ہے۔ ان اعتراضات کے جواب میں مولانا غلام رسول مہر نے دلیلوں سے یہ ثابت کر دیا کہ مولانا عام مسلمانوں کی طرح توحید ،رسالت اور آخرت کے متعلق پختہ عقیدہ رکھتے ہیں ۔انہوں نے بتایا کہ تفسیر میں کسی آیت کے اندر جتنی معانی کی گنجائش ہو تی ہے، اتنی ہی توضیح و تشریح کی جاتی ہے۔ لہٰذا سورۂ فاتحہ میں ان کے عقائد کی جستجو صحیح نہیں ہے۔

سورۂ فاتحہ کی طرح ذوالقرنین کی شخصیت کے تعین میں بھی مفسرین نے بڑی قیاس آرائیاں کی ہیں ۔زیادہ تر مفسرین کا یہ خیال ہے کہ وہ سکندر ہے ۔مولانا آزاد نے نہایت حسن وخوبی سے یہ ثابت کیا کہ قرآنی آیات کی روشنی میں ذوالقرنین ،فارس کا شہنشاہ سائرس ہے ۔بعد کے مفسرین نے مولانا کی اس تحقیق کو صحیح تسلیم کرکے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔

”ترجمان القرآن“ کے سلسلے میں بعض علماؤں نے یہ بحث بھی کی کہ آیا یہ محض قرآن کا ترجمہ ہے یا اسے تفسیر بھی کہا جاسکتا ہے ۔اس کے متعلق مولانا غلام رسول مہر نے یہ بتایا کہ یہ ترجمہ و تفسیر کے مابین کی چیز ہے۔ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد نے اسے مفصل تفسیر بتایا ہے ۔مولانا آزاد اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں۔

”اکثر مقامات پر ایسا ہوا کہ معارف و مباحث کا ایک پورا دفتر دماغ میں پھیل رہا تھا۔مگر نوک قلم پر پہنچا تو ایک سطر یا ایک جملہ بن کر رہ گیا۔“(۱۱)

---

(۱۰) معارف (ماہوار علمی رسالہ) دارالمصنفین، اعظم گڈھ ۔ اپریل ۱۹۹۱ء (ص ۔ ۲۵۸)

(۱۱) فکرو نظر سہ ماہی (ابوالکلام آزاد نمبر) علی گڈھ ۔ ۱۹۸۹ء مولانا آزاد کا علمی تبحر۔ خلیق احمد نظامی (ص۔ ۳۰)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ "ترجمان القرآن" ایک مفصل تفسیر ہے۔اس کتاب کی تمام تر خصوصیات کی اصل اس کا ترجمہ اور مولانا آزاد کے ترجمے کا اسلوب ہے۔انہوں نے ترجمے کے ساتھ جو بصیرت افروز نوٹس وغیرہ لکھی ہیں، اس کا صرف ایک جملہ بعض صورتوں میں تفسیر کا قائم مقام بن گیا ہے۔مولانا نے دیگر مفسرین اور علماؤں کے اعتراضات پر برہم ہونے کے بجائے اپنی انکساری کا دعویٰ ان لفظوں میں کیا ہے۔

"کام کی نوعیت کا اندازہ اس طرح کیا جا سکتا تھا کہ قرآن کے جس قدر اردو فارسی ترجمے موجود ہیں،سب سامنے رکھ لئے جائیں،نیز قدیم تفاسیر میں سے بھی چند مقبول و مستند تفسیریں اٹھالی جائیں یا کم از کم تفسیر کبیر ہی منتخب کر لی جائے کہ تفسیری مباحث میں متاخرین کا منتہائے نظرو کاوش وہی ہے۔پھر کم از کم کسی ایک سورۃ کا ترجمہ "ترجمان القرآن" میں سے نکال کر ایک ایک آیت کے ترجمہ و شرح کا ان سب سے مقابلہ کیا جائے۔۔۔بہر حال زمانہ اس کام کا اندازہ شناس ہو یا نہ ہو، مگر مؤلف نے زمانے کی حالت کا پوری طرح اندازہ کر لیا ہے اور اول دن سے اس پر قانع ہے۔جو کچھ طلب ہے، استفادہ و عمل کی ہے،اعتراف و تحسین کی نہیں۔"(۱۲)

مولانا آزاد کا یہ دعویٰ کسوٹی پر پرکھنے بعد سچا سونا ثابت ہوا۔کئی محققین اور مفسرین نے اس ترجمے کا تقابلی موازنہ کرکے اسے خوب سراہا ہے۔مولانا اخلاق حسین قاسمی اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ یہ قصور توقع قائم کرنے والوں کا تھا۔ایک مضمون جیسا مولانا آزاد کے سامنے ہوتا تھا تو مولانا اس میں بے دھڑک قرآن و حدیث اور تاریخ و ادب کے معارف بکھیرتے چلے جاتے تھے اور پڑھنے والوں کو آسودہ کر دیا کرتے تھے۔لیکن "ترجمان القرآن" ایک مربوط،مرتب اور منضبط کتاب ہے۔اس میں مولانا کا قلم بے دھڑک نہیں چلتا، ورنہ ترجمان، ترجمان نہیں رہتا،وعظ و نصیحت اور تاریخ و ادب کے مقالات کا مجموعہ بن جاتا۔"(۱۳)

مولانا کے خطوط سے "ترجمان القرآن" کی عوامی مقبولیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہزاروں لوگوں نے اسے شیروانیاں بیچ کر بھی خریدا،پڑھا اور پسند کیا تھا۔

---

(۱۲) مولانا ابوالکلام آزاد (شخصیت اور کارنامے) مرتبہ خلیق انجم۔ مولانا آزاد ترجمان القرآن کی روشنی میں۔ کاظم علی خان (ص ص۔ ۳۲۰۔ ۳۱۹)

(۱۳) ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ ۔ مولانا اخلاق حسین قاسمی ۔ (ص۔ ۴۷)

مولانا آزاد نے ترجمان القرآن میں طریقۂ استدلال کا تجزیہ کرتے ہوئے انسانی ذہن کو غور و فکر کی دعوت دی ہے ۔ان کے نزدیک دین کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی شخص نے عبادت کے وقت اپنا منھ پچھّم یا پورب کی طرف کر لیا بلکہ اصل دین تو یہ ہے کہ انسان خدا پرستی اور نیک عملی کے لحاظ سے کس مقام پر قائم ہے۔ مولانا کا خیال ہے کہ اصل دین سے رشتہ منقطع کرکے دوسرے راستوں پر چلنے کی وجہ سے خدا کی عبادت گاہیں تک منقسم ہو گئیں۔ حافظ فضل الباسط صدیقی اس سلسلے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

"ان کا (مولانا آزاد کا) کہنا ہے کہ دین ہمیشہ سے ایک رہا ہے اور ایک ہی رہے گا۔ اختلاف جو ہمیں نظر آتے ہیں وہ دین کے نہیں بلکہ شریعتوں اور طریقتوں ہیں یعنی اختلافات اصل میں نہیں ،فرع میں ہیں ،حقیقت میں نہیں، ظواہر میں ہیں ،روح میں نہیں، صورت میں ہیں اور یہ اختلاف ضروری بھی تھا۔"(۱۴)

"ترجمان القرآن" کی یہ خصوصیت شدت سے متاثر کرتی ہے کہ مولانا نے دیگر مذاہب کے فکری اور اعتقادی عناصر کو تحقیقی چھان بین کر کے اس طرح پیش کیا ہے کہ کسی جگہ مذہبی عصبیت کا ہلکا سا تاثر بھی پیدا نہیں ہوتا۔ "ترجمان القرآن" میں وہ تحریر فرماتے ہیں ۔

"اگر قوموں اور جماعتوں کی باہمی کشمکش اور مدافعت نہ ہوتی اور ہر جماعت اپنی اپنی حالت میں بغیر منازعت کے چھوڑ دی جاتی تو نتیجہ یہ نکلتا کہ دنیا ظلم و تشدد سے بھر جاتی۔" (۱۵)

مولانا آزاد کے نزدیک قرآن دیگر مذاہب کے ماننے والوں سے نیا دین قبول کرنے کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ اپنے اپنے مذاہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کار بند ہونے کا مطالبہ کرتا ہے۔انہوں نے ترجمان القرآن میں انتہائی مؤثر پیرائے میں رواداری کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بات سمجھائی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں ۔

"دو حق ہیں اور دونوں کو اپنی اپنی حدوں میں رہنا چاہیئے۔ ایک حق تذکیر و تبلیغ کا ہے ایک پسند و قبول کا ۔ہر انسان کو حق ہے، جس بات کو درست سمجھتا ہے اسے دوسروں کو بھی سمجھائے بلکہ اس کا حق نہیں ہے کہ دوسروں کے حق کا انکار کردے ۔یعنی یہ بات نہ بھلا دے

(۱۴) تہذیب الاخلاق (ماہنامہ) علی گڈھ ۔ نومبر ۱۹۹۷ء ۔مولانا آزاد کا تصور دین۔ حافظ فضل الباسط صدیقی (ص۔۳۵)
(۱۵) ترجمان القرآن (جلد دوم) مولانا ابوالکلام آزاد (ص ۔ ۲۲۵)

کہ جس طرح اسے ایک بات ماننے ،نہ ماننے کا حق ہے ویسا ہی دوسروں کو ماننے ،نہ ماننے کا حق ہے۔"(۱۶)

مولانا آزاد کا خیال یہ تھا کہ جیسے ہی لوگ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیمی سچائی کی طرف پلٹیں گے تو وہی حقیقت ان کے سامنے کھل جائے گی جس کی دعوت قرآن حکیم دے رہا ہے ۔مولانا نے اس کتاب میں سادہ اور پر اثر طرز تحریر اور اسلوب بیان سے کام لیا ہے۔"ترجمان القرآن "کی تصنیف سے ان کا مقصد یہ تھا کہ قرآن فہمی عام ہو ۔لہٰذا اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے اس کتاب میں ایسا انداز بیان اختیار کیا کہ اس کا ہر لفظ قارئین کے دل و دماغ کی فطری آواز بن گیا۔انہوں نے اپنے فہم کے مطابق قرآن کے سادہ، فطری، حقیقی اور دل میں اتر جانے والی تعلیمات کو اس کتاب میں پیش کیا اور الہلال کے بر عکس ترجمان میں انہوں نے نہایت سادہ اور پر تاثیر زبان استعمال کی تاکہ عام لوگوں پر بھی وحیِ الٰہی کے مطالب بالکل صاف ہو جائیں اور ان کے سمجھنے میں کوئی دشواری باقی نہ رہ جائے۔

"ترجمان القرآن "میں مولانا آزاد نے بلا امتیاز مذہب و ملت سب کو مخاطب کیا تھا لیکن ان کا یہ پیغام ایک محدود طبقے سے آگے نہ بڑھ سکا۔ وہ اس کتاب کو ہندوستان کی دیگر زبانوں میں بھی منتقل کرنا چاہتے تھے تاکہ ہر قوم کے لوگ اسلام کی روح سے واقف ہو سکیں لیکن بدقسمتی سے ان کا یہ خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔بظاہر اس کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ ترجمان القرآن کی زبان اردو تھی جس سے ہندوستانی اکثریت نابلد تھی ۔دوسری طرف اردو خواں مسلمانوں میں بیشتر لوگوں نے ترجمان کی دعوت کو شاید اس لئے قابل اعتنا نہ سمجھا کہ داعی مولانا آزاد تھے جو ایک خاص سیاسی فکر رکھتے تھے ۔ایک ایسی سیاسی فکر جس سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے اس وقت تک اختلاف کیا ، جب تک کہ حالات نے اس کی صداقت کو ان پر آشکار نہ کر دیا۔

درحقیقت اسلامی دنیا میں پچھلی کئی صدیوں سے اجتہاد کی راہ مسدود ہو گئی تھی۔اس دور میں تلاش و تحقیق،اجتہاد و تجدید یکسر مفقود نظر آتی ہے ۔تمام عربی مدارس اور دینی تعلیم کے مراکز جدید تحقیقات علمی سے ناواقفیت کی بنا پر جدید عصری مسائل کو سمجھنے کے قاصر تھے۔آج

---

(۱۶) مذہب، مسلمان اور سیکولرازم ۔ ڈاکٹر اشفاق محمد خان (ص ۔ ۱۷۴)

ترجمان القرآن کی تعلیم دماغ کو قائل کرنے کے ساتھ دلوں پر اپنا گہرا تاثر چھوڑتی ہے اور اصلاح کا ایک نقطۂ آغاز فراہم کرتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا آزاد کو قرآن سے بے حد شغف تھا اور وہ مسلسل ستائیس برس تک اسی پر تدبر و تعقل فرماتے رہے۔ مختلف ادیان کا تقابلی مطالعہ کرکے مسلمہ عقائد کی روشنی میں انہوں نے ثابت کیا کہ دین ایک ہی ہے جس کی دعوت قرآن حکیم دے رہا ہے۔ تاریخ اقوام عالم کے ساتھ وہ سائنس کے جدید انکشافات اور اختراعات سے بھی باخبر تھے ۔سورۂ فاتحہ کو انہوں نے فی الحقیقت ''ام القرآن'' ثابت کر دیا ۔انہوں نے ربوبیت، رحمت اور عدالت کے فلسفے کو انتہائی غور و فکر کرکے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ترجمان القرآن کے ذریعے انہوں نے پہلی بار ترجمہ و تفسیر کے اصول مرتب کرنے کی کوشش کی۔ اس کتاب کا مقصد دور جدید میں اسلام کی ترجمانی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اسلام کو، اس کی اصلیت کے مطابق کسی فرقے کے رسمی دھرم کے بجائے ایک عام نظریۂ زندگی اور بہترین نظام حیات کے طور پر پیش کیا اور اس کے ذریعے عصر حاضر کے ہندوستان میں عالم انسانیت کی بنیادی خدمت کی۔ یہی چیز انہیں دوسرے مفکرین اسلام سے منفرد اور ممتاز کر دیتی ہے ۔

مولانا آزاد کے ترجمان القرآن پر علماء کی جانب سے بہت سے اعتراضات بھی ہوئے ۔مثال کے طور پر ابتدا میں وہ اسرائیلیات سے بیزار نظر آتے ہیں اور انہیں قرآن میں اسرائیلیات کے دخیل ہونے پر اعتراض ہے لیکن بعد میں انہوں نے خود اسرائیلیات کا سہارا لے کر اصحاب کہف کی تعداد مقرر کرنے کی کوشش کی اور ان کے نام بھی درج کیے۔ بیشتر علماء کو مولانا سے یہ شکایت تھی کہ انہوں نے اس کتاب میں وحدت دین کا نظریہ پیش کیا لیکن مولانا آزاد نے ان تمام اعتراضات کے جواب میں انکساری کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ انہوں نے اپنے فہم کے مطابق قرآن کی سادہ، فطری اور حقیقی تعلیمات کو پیش کیا ہے۔

ترجمان القرآن پر متعدد علماء کی جانب سے گئے مختلف اعتراضات کے باوجود اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انہوں نے اس دور میں قرآن حکیم کی تعلیمات کی جو نئی روح پھونکی وہ کوئی دوسرا نہیں کر سکا۔

۳. مذہبی نظریہ:

مولانا آزاد کے مذہبی نظریات کا جائزہ لیتے ہوئے پتہ چلتا ہے کہ دوسرے میدانوں کی طرح یہاں بھی ان کا انداز نظر جداگانہ ہے۔ جس طرح سیاست میں رہ کر بھی وہ عوام سے دور رہے اسی طرح مذہب میں بھی مولانا تقلیدی عقائد سے گریزاں رہے۔ وہ موروثی عقائد کو انسانی دماغ کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"انسان کی دماغی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی روک اس کے تقلیدی عقائد ہیں۔ اسے کوئی طاقت اس طرح جکڑ بند نہیں کر دے سکتی جس طرح تقلیدی عقائد کی زنجیریں کردیا کرتی ہیں۔ وہ ان زنجیروں کو توڑ نہیں سکتا اس لئے کہ توڑنا چاہتا ہی نہیں۔ وہ انہیں زیور کی طرح محبوب رکھتا ہے۔ ہر عقیدہ، ہر عمل، ہر نقطۂ نگاہ جو اسے خاندانی روایات اور ابتدائی تعلیم و صحبت کے ہاتھوں مل گیا ہے اس کے لئے ایک مقدس ورثہ ہے۔ وہ اس ورثے کی حفاظت کرے گا مگر اسے چھونے کی جرأت نہیں کرے گا۔" (۱)

مولانا آزاد کی خصوصیت اور انفرادیت اسی میں مضمر ہے کہ انہوں نے اپنے خاندانی ورثے کی حفاظت بھی کی اور اسے چھو کر اس کی تہہ تک پہنچنے کی جسارت بھی کی۔ درحقیقت مولانا جید عالم دین تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے خاندان کے علم و فضل کی بعض روایات کو دنیا کی ہر نعمت سے زیادہ عزیز رکھا لیکن موروثی عقائد کی اندھی تقلید پر قانع نہیں ہوئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"یہاں سوال عادات و خصائل کا نہیں ہے۔ افکار و حالات کا ہے اور جب اس اعتبار سے اپنی حالت کا جائزہ لیتا ہوں تو خاندانی تعلیم اور ابتدائی گردوپیش کا کوئی گوشہ بھی میل کھاتا ہوا نہیں دکھائی دیتا۔ فکری مؤثرات کے جتنے بھی اصول و ظرف ہو سکتے ہیں، ان میں سے ایک ایک کو اپنے سامنے لاتا ہوں اور ہر ایک میں اپنے کو ڈھونڈتا ہوں مگر اپنا سراغ کہیں نہیں ملتا۔۔۔ فرض کیجئے میرے قدم اسی منزل پر رک گئے ہوتے اور علم و فضل کی جو راہیں آگے چل کر

---

(۱) غبار خاطر (ابوالکلام آزاد) مرتبہ مالک رام (ص۔ ۱۰۰)

ڈھونڈی گئیں۔ ان کی لگن پیدا نہ ہوئی ہوتی تو میرا کیا حال ہوتا۔ ظاہر ہے کہ تعلیم کا یہ ابتدائی سرمایہ مجھے ایک جامد اور ناآشنائے حقیقت دماغ سے زیادہ اور کچھ نہیں دے سکتا تھا۔" (۲)

مولانا آزاد نے تقلید پرستی کے برخلاف اجتہاد کا راستہ اپنایا۔ ان کی قرآنی فکر اور مذہبی زندگی کا پس منظر، ان کے خاندانی روایات اور اسی ماحول میں ان کی تعلیم و تربیت، منطق، فلسفہ اور جدید علوم پر دسترس کے ساتھ ان کا اندرونی ہیجان اور باطنی میلان ہے، جس نے انہیں عالم بے بدل بنا دیا۔ انہوں نے خاندانی علم و فضل کی بنیاد پر اپنے مذہبی نظریات کی جدید عمارت تیار کردی اور اپنے لئے ایک ایسی شاہراہ بنائی جس نے انہیں ہندوستان کے دیگر علماء سے منفرد و ممتاز کردیا۔ ان کی شخصیت کا مذہبی اور علمی پہلو ہی ان کی انفرادیت کا سب سے وزنی عنصر ہے۔

اپنے مذہبی نقطۂ نظر کی توضیح کرتے ہوئے مولانا آزاد تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک مذہب تو موروثی مذہب ہے کہ باپ دادا جو کچھ مانتے رہے ہیں، مانتے رہیے۔ ایک جغرافیائی مذہب ہے کہ زمین کے کسی خاص ٹکڑے میں ایک شاہراہ عام بن گئی۔ سب اسی پر چلتے ہیں، آپ بھی چلتے رہئے۔ ایک مردم شماری کا مذہب ہے کہ مردم شماری کے کاغذات میں ایک خانہ مذہب کا بھی ہوتا ہے۔ اس میں "اسلام" درج کرادیجئے۔ ایک رسمی مذہب ہے کہ رسموں اور تقریبوں کا ایک سانچہ ڈھل گیا ہے۔ اسے نہ چھیڑئے اور اسی میں رہتے رہئے۔ لیکن ان تمام مذہبوں کے علاوہ بھی مذہب کی ایک حقیقت باقی رہ جاتی ہے۔ تعریف و امتیاز کے لئے اسے حقیقی مذہب کے نام سے پکارنا پڑتا ہے اور اسی کی راہ گم ہوجاتی ہے۔۔۔ اس مقام پر پہنچ کر یہ حقیقت بھی بے نقاب ہوگئی کہ علم ومذہب کی جتنی نزاع ہے وہ فی الحقیقت علم و مذہب کی نہیں ہے۔ مدعیان علم کی خام کاریوں اور مدعیان مذہب کی ظاہر پرستیوں اور قواعد سازیوں کی ہے۔ حقیقی علم اور حقیقی مذہب اگرچہ چلتے ہیں الگ الگ راستوں سے مگر بالآخر پہنچ جاتے ہیں ایک ہی منزل پر۔" (۳)

مولانا آزاد علوم قدیمہ اور جدیدہ کے ذریعے حقیقی علم اور حقیقی مذہب دونوں کی روح

---

(۲) آثار ابوالکلام آزاد (ایک نفسیاتی مطالعہ) قاضی محمد عبدالغفار (ص۔ ص ۲۰۵۔ ۲۰۴)

(۳) غبار خاطر (ابوالکلام آزاد) مرتبہ مالک رام (ص۔ ۴۰)

تک پہنچ چکے تھے اور نتیجے کے طور پر انہوں نے اس منزل کو پالیا تھا جسے صراط مستقیم کہتے ہیں۔ حالانکہ جدید علوم پر مولانا کی گہری نظر تھی لیکن ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے مذہب کو بنیاد بنایا۔ حتیٰ کہ ان کے علوم جدیدہ کا سنگ بنیاد بھی مذہب ہی کا علم و عرفان ہے ۔ ان کا خیال تھا کہ زندگی گذارنے کے لئے جدید علوم کے ذریعے ثابت شدہ حقیقتوں کے ساتھ عقیدے کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو صرف قرآن ہی دے سکتا ہے اور انسانی زندگی کی اس بنیادی ضرورت کا مداوا سائنس اور فلسفہ کے دائرۂ موضوع سے باہر کی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم و حکمت اور منطق و فلسفہ کے خزانوں سے معمور ہونے کے باوجود ان کا کردار عارفانہ تھا۔ ان کے مطالعے کی وسعت نے ان پر غور و فکر کی راہیں کھول دیں اور وہ مذہب کی بنیادی حقیقت سے آگاہ ہوگئے۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

"اس منزل پر پہنچ کر سب سے بڑی بنیادی سچائی مجھ پر کھل گئی کہ مذہب کی راہ عقل و ادراک سے نہیں بلکہ خالص اور بے میل جذبات سے طے کی جاسکتی ہے اور مذہبی سچائی کا پا لینا اس لئے کٹھن نہیں ہے کہ وہ مشکل ہے بلکہ اسلئے کہ وہ بہت ہی آسان ہے اور انسان کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ وہ سامنے کی آسان اور عام چیزوں کو ہمیشہ نظر انداز کردیتا ہے۔" (۴)

اس اقتباس سے مولانا آزاد کی فلسفیانہ اور مفکرانہ مذہبی بصیرت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ عام لوگوں کی طرح گردوپیش کے مناظر اور مظاہر کو دیکھ کر سرسری نہیں گذرجاتے بلکہ ان کا عمیق مطالعہ کرکے اپنے خالص جذبات کے میل سے زندگی کی اہم ترین حقیقتوں کو آشکار کرتے ہیں۔

مولانا مذہبی گروہ بندی سے سخت متنفر تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے اور قرآن صاف لفظوں میں اسی کا اعلان کررہا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"میں نہیں جانتا سنیت کیا چیز ہے اور شیعت کسے کہتے ہیں۔ میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں اور اس کی کتاب میرے پاس ہے اور میں نے رسولؐ کو پہچانا ہے۔ مجھے عقل دی گئی ہے۔ اس لئے میں اشیاء کے حقائق ثابت تسلیم کرتا ہوں۔ پس جو چیز سفید ہے، سفید ہے اور جو سیاہ ہے، سیاہ ہے۔ کوئی سفید کپڑا اس لئے سیاہ نہیں ہوسکتا کہ اس کو فلاں فرقے نے پہنا اور کوئی حق اس لئے باطل نہیں ہوسکتا کہ یہ فلاں انسان کی طرف منسوب ہے۔ یہ ہیں میرے عقائد، یہ ہے میرا

---

(۴) آثار ابوالکلام آزاد (ایک نفسیاتی مطالعہ) قاضی محمد عبدالغفار (ص ۔ ۲۱۷)

مسلک اور یہ ہے وہ بصیرت راسخہ جو کتاب و سنت نے مجھے عطا کی۔ اس بصیرت نے مجھ کو ہمیشہ فریقانہ نزاعات سے الگ رکھا۔" (۵)

مولانا آزاد خدا کو کسی خاص طبقے یا مذہب کی جاگیر نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک خدا سب کا ہے اور سب اسی کے ہیں ۔اسی لئے اسے رب العالمین یعنی سارے دنیا کا پالن ہار کہا گیا ہے اور اگر وہ سب کو پالنے والا ہے تو پھر وہ کسی ایک گروہ کا کیونکر ہو سکتا ہے ۔ان کا اصرار یہ ہے کہ خدا بلا امتیاز مذہب و ملت سبھی کا ہے۔ کیونکہ قرآن مذہبی گروہ بندی کی دعوت لے کر نہیں آیا ہے بلکہ تمام گروہوں کو ایک دین حق پر جمع کرنے کے لئے نازل ہوا ہے ۔مولا آزاد اپنے ان خیالات کی وضاحت کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔

"دنیا میں انسانی جمعیت کی ابتدا اختلاف سے نہیں بلکہ وحدت و یگانگت سے ہوئی ہے ۔سب ایک ہی قوم تھے اور سب فطری صداقت کے ایک ہی طریق پر چلنے والے تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ ان میں پھوٹ پڑ گئی اور گمراہی اور فساد کی بے شمار راہوں میں بکھر گئے ۔تب خدا نے ان کی ہدایت کے لئے نبیوں کو مبعوث کیا جو نیک کرداری کے پھل کی بشارت دیتے تھے اور بد کرداری کے نتائج سے ڈراتے تھے ۔ان کے ساتھ تعلیم حق کی کتابیں بھی تھیں ۔یہ اس لئے نازل کی گئی تھیں تاکہ جن جن باتوں میں نادانی و گمراہی سے اختلاف پیدا کر دیا گیا ہے ۔ان سب کا فیصلہ ہو جائے اور سب اس حقیقی دین پر متفق ہو جائیں۔"(۶)

مولانا کی یہ تحریر اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ حقیقی دین تو ہمیشہ سے ایک ہی ہے لیکن شریعتوں اور طریقوں نے ان میں اختلاف پیدا کر دیا اور لوگ اصل دین سے منحرف ہو کر مذہبی گروہ بندی کے اختلافات کی بھول بھلیوں میں گم ہوگئے ۔ان کے نزدیک یہ اختلافات ضروری بھی تھے کیونکہ قرآن دیگر مذاہب کے ماننے والوں سے زبردستی نیا دین قبول کرنے کا مطالبہ بھی نہیں کرتا ۔ان کا خیال تھا کہ جب لوگ اپنے اپنے مذاہب کی حقیقی تعلیم پر غور و فکر کریں گے تو بلا شبہ اسی حقیقی دین کی طرف لوٹ آئیں گے جس کا اعلان قرآن حکیم کر رہا ہے ۔ مولانا آزاد نے مشرق و مغرب کے فلسفے کو بھی اپنے مذہبی نظریات کی روشنی میں دیکھا

---

(۵) آثار ابوالکلام آزاد (ایک نفسیاتی مطالعہ) قاضی محمد عبدالغفار (ص ۔ ۲۱۸)

(۶) تصریحات آزاد ۔ مولانا ابوالکلام آزاد (ص ۔ ۱۳۲)

۔انہوں نے مشرقی علماء کے علم تصوف اور تقدیر پرستی کے متعلق غور کیا۔ علمائے تصوف نے قرآن کی روشنی میں انسانوں کو "خلیفته الله فی الارض" بتایا۔ مولانا اس کو قبول کرتے ہیں لیکن ان کا اعتراض یہ ہے کہ علمائے تصوف نے انسانی ذہن کو تقدیر پرستی سے محفوظ رہنے کا کوئی طریقہ نہیں بتایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انسان تقدیر کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن کر رہ گیا اور تقدیر پرستی نے انسانوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو مسدود کر کے رکھ دیا۔ مغربی فلسفے سے متعلق ان کا خیال یہ ہے کہ مشرق کے بر خلاف مغرب میں مادیت پرستی اور تاریخی جبریت کی خارجی قوتوں نے انسانوں کو بے بس اور لاچار کر دیا۔

مولانا آزاد کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ مشرق و مغرب کے فلسفے کے متناسب امتزاج ہی سے عالم انسانی کی فلاح ممکن ہو سکتی ہے ۔ان کا خیال تھا کہ اس طرح سائنس کے غلط استعمال کا خطرہ بھی باقی نہیں رہے گا اور دوسری طرف تقدیر پرستی کی بے بسی سے بھی انسانوں کو نجات مل جائے گی ۔وہ انسانوں کو ترقی یافتہ حیوان نہیں بلکہ فی الحقیقت "خلیفته الله فی الارض "دیکھنا چاہتے تھے ۔ضیاء الحسن فاروقی اس سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

"مولانا کے خیال میں انسان کے بلند مرتبے سے متعلق مشرق کا تصور نہ صرف مغرب میں سائنس کی ترقی سے ہم آہنگ ہے بلکہ حقیقت میں اس امر کی قابل فہم تشریح ہے کہ کیسے عظیم الشان سائنسی ترقیاں ممکن ہیں ۔اگر انسان ایک ترقی یافتہ حیوان ہے تو پھر اس کی ترقی کی ایک حد ہوگی لیکن اگر اس خاک کے پتلے میں روح الٰہی کا کوئی عنصر داخل ہے تو پھر اس کی ترقیوں کی کوئی انتہا نہیں۔"(۷)

درحقیقت مولانا آزاد جدید مذہبی طرز فکر رکھتے تھے ۔اس طرز فکر کو پروفیسر آل احمد سرور "نئی مشرقیت "سے تعبیر کرتے ہیں۔مذہب اور انسانوں سے متعلق مولانا آزاد کا واضح نقطۂ نظر تھا۔ان کا خیال تھا انسانوں کو کسی محدود دائرے میں قید نہ رہ کر اجتہاد اور ترقیوں کی بلندیوں تک پہنچنا چاہئے ۔انہوں نے "ترجمان القرآن "میں وحدت انسانی کے متعلق اپنے اسلامی نقطۂ نظر کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے ۔

"بندوں کے لئے خدا کی محبت کی عملی راہ کیا ہے ؟قرآن کہتا ہے:خدا کی محبت کی راہ

---

(۷) مولاناابوالکلام آزاد (فکر ونظر کی چند جہتیں) ضیاء الحسن فاروقی (ص ـ ۵۷)

اس کے بندوں کی محبت میں سے گذری ہے۔جو انسان چاہتا ہے کہ خدا سے محبت کرے ،اسے چاہئے کہ خدا کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے۔۔۔ خدا اور اس کے بندوں کا رشتہ محبت کا رشتہ ہے اور سچی عبودیت اسی کی عبودیت ہے جس کے لئے معبود صرف معبود ہی نہ ہو بلکہ محبوب بھی ہو۔"(۸)

مولانا آزاد نے قرآن کی روشنی میں مذہب اسلام کا سرا عالم انسانیت اور اخلاقیات سے ملا دیا ہے اور اسی روشنی میں انہوں نے اخلاقیات کی حدوں کو سیاسیات تک وسیع کر دیا ہے۔ان کا خیال ہے کہ ایک مسلمان سچا محبّ وطن ہو کر بھی سچا مسلمان رہ سکتا ہے ۔ان کے نزدیک مذہب اسلام قومیت،جمہوریت اور سیکولرازم کی راہ میں حائل نہیں ہے ۔ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اسلام عالمگیر مذہب ہے اور وہ انسانی زندگی کے ہر گوشے میں ان کی رہنمائی کرتا ہے ۔اپنے اسلامی عقائد کی توضیح وتشریح کرتے ہوئے مولانا آزاد یوں رقمطراز ہیں ۔

"ہم نے تو اپنے پولیٹکل خیالات بھی مذہب ہی سے سیکھے ہیں ۔اسلام انسان کے لئے ایک جامع اور اکمل قانون لے کر آیا اور انسانی عمل کا کوئی مناقشہ ایسا نہیں ہے جس کے لئے وہ حکم نہ ہو ۔وہ اپنی توحید تعلیم میں غیور ہے اور کبھی پسند نہیں کرتا کہ اس کی چوکھٹ پر جھکنے والے کسی دوسرے دروازے کے سائل بنیں۔مسلمانوں کی اخلاقی زندگی ہو یا علمی،سیاسی ہو یا معاشرتی ،دینی ہو کہ دنیوی ،حاکمانہ ہو کہ محکومانہ ،وہ ہر زندگی کے لئے اکمل ترین قانون اپنے اندر رکھتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ دنیا کا آخری اور عالمگیر مذہب نہ ہو سکتا۔"(۹)

مولانا آزاد کے اس اسلامی نقطۂ نظر اور مذہبی افکار کی روشنی میں یہ بات نمایاں طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ وہ سیاست کو مذہب سے الگ تصور نہیں کرتے تھے اور قرآنی تعلیمات کی روشنی ہی میں انہوں نے ہندوستان کی سیاست میں عملی طور پر حصہ لیا ۔انہوں نے مسلمانوں کو جنگ آزادی میں شریک کرنے کے لئے دیگر علماؤں کی بہ نسبت زیادہ زور دیا کیونکہ وہ اسے سیاسی ضرورت نہیں بلکہ مسلمانوں کا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے لیکن ساتھ ہی مسلمانوں کو تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے تمام کاموں کی بنیاد تعلیم الٰہی پر رکھیں، نہ کہ محض کسی ترقی یافتہ قوم کی تقلید و اتباع پر یا محض اخذ تحصیل تمدن و سیاست و وطنیت پر۔" (۱۰)

---

(۸) مولانا ابوالکلام آزاد (فکر ونظر کی چند جہتیں) ضیاء الحسن فاروقی (ص ص ـ ۵۸ ـ ۵۷)
(۹) مولانا ابوالکلام آزاد (ذہن و کردار) عبدالمغنی (ص ـ ۹۷)
(۱۰) مولانا ابوالکلام آزاد ـ شخصیت ، سیاست اور پیغام ـ رشید الدین خان (ص ـ ۲۹)

مولانا آزاد نے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں حب الوطنی اور متحدہ قومیت کے تصور کو بھی واضح کیا۔ اپنے مضمون "ہندو مذہب کی نفسیات اور اسلام" میں انہوں نے اس کے متعلق یوں فرمایا۔

"قرآن کے تصور الٰہی کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے کسی طرح کی اعتقادی مفاہمت اس بارے میں جاری نہیں رکھی۔وہ اپنے توحیدی اور تنزیہی تصور میں سر تا سر بے میل اور بے لچک رہا ہے لیکن اس کی یہ مضبوط جگہ کسی بھی طرح ہمیں روادارانہ طرز عمل سے روکنا نہیں چاہتی۔"(۱۱)

ساتھ ہی مولانا آزاد نے اپنی تصنیف "جامع الشواھد" میں مسلمانوں کو یہ تاکید بھی کی کہ "مسلمانوں کو ہر حال میں چاہئے کہ احکام شرعیہ کو مقدم رکھیں اور جوش اتحاد میں ایسے بے خود نہ ہوجائیں کہ احکام شرعیہ سے بے پرواہ ہو جائیں۔"(۱۲)

مولانا آزاد کا مذہبی نقطۂ نظر محدود نہیں تھا بلکہ آفاقی تھا۔وہ مذہب میں تعلیم الٰہی کی بنیاد پر احیائے اسلام کے ساتھ عالمگیر اخوت، اتحاد اسلامی اور مسلم حب الوطنی کی تائید بھی کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی میانہ روی، اعتدال اور توازن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ حافظ فضل الباسط صدیقی اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"مولانا آزاد کو ان کے مذہبی اور دینی کارناموں کی روشنی میں بنیاد پرست ادعائیت پسند یا قدامت پسند بنا کر پیش کرنا ایک فیشن ہو گیا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ کہ ان کے تصورات میں کافی لچک، وسعت اور ہمہ جہتی نظر آتی ہے۔"(۱۳)

مولانا آزاد کا مذہبی نقطۂ نظر افراط و تفریط کا شکار نہیں ہے۔ انہوں نے قرآن کی فطری تعلیمات کے مطابق اعتدال و توازن کی راہ اپنائی اور قرآن و سنت کی روشنی میں میانہ روی اختیار کی وہ خود تحریر فرماتے ہیں۔

"پس اس گوشے میں وہی عمل مقبول ہوتا ہے جو افراط و تفریط اور میل و انحراف کی جگہ

---

(۱۱) الفرقان (ماہنامہ) لکھنؤ۔ مارچ ۱۹۹۷ء (ص۔ ۲۸)

(۱۲) جامع الشواہد (فی دخول غیر المسلم فی المساجد) مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم (ص۔ ۵)

(۱۳) تہذیب الاخلاق (ماہنامہ) علی گڑھ۔نومبر ۱۹۹۷ء مولانا ابوالکلام آزاد کا تصور دین۔حافظ فضل الباسط صدیقی (ص۔۳۵)

فطرت کے عدل وقسط پر مبنی ہوتا ہے اور اسی کو وحیٔ الٰہی، عمل صالح سے تعبیر کرتی ہے۔"(۱۴)

مولانا آزاد کے مذہبی افکار و خیالات کا جائزہ لیتے ہوئے پتہ چلتا ہے کہ ان کی قرآنی بصیرت دیگر علماء کی طرح محدود نہیں ہے۔ وہ اپنے اجتہاد کے مقابلے میں اہل مذہب کے رائج الوقت توہمات اور اختلافات کو گمراہیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ نظام کائنات کے تغیر و تبدل کے ساتھ انسانی زندگی اور طرز فکر کو بھی تبدیل ہونا چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے مذہبی علماء کی خالص قدامت پرستی اور جدت پسندوں کی خالص عقلیت پرستی کے درمیان سے گزر کر اپنا راستہ بنایا۔ انہوں نے دو انتہا پسندیوں کے درمیان اعتدال و توازن کا راستہ اختیار کیا۔ یہ چیز انہیں نہ صرف دوسرے علماء سے الگ کرتی ہے بلکہ ان کی انفرادیت بھی قائم کر دیتی ہے۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا آزاد نے زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر سرگرمی میں قرآنی آیات و تعلیمات کو پیش نظر رکھا اور اسی پر سختی سے عمل پیرا ہو گئے۔ اسی روشنی نے انہیں صداقت کی راہ دکھائی جس کی تلاش میں ان کی روح بے چین اور مضطرب تھی۔ انہوں نے تقلید کے جمود سے ہمیشہ گریز کیا اور موروثی عقائد کو انسانوں کی ترقی کی راہ میں حائل قرار دیا۔

مولانا آزاد تقلید کے مخالف اور اجتہاد کے حامی تھے۔ ان کا خیال تھا کہ کسی بھی قوم کو اپنی تاریخ اور ماضی سے رشتہ منقطع نہیں کرنا چاہئے لیکن وہ ساتھ ہی اس بات پر بھی زور دیتے تھے کہ ماضی کے غلط احترام سے قوموں کی فطری ترقی رک جاتی ہے کیونکہ قرآن مجید کی اصل تعلیم زندگی کی ترقیوں کو روکتی نہیں ہے بلکہ اسے متحرک کر دیتی ہے اور عہد جدید کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت بھی اس میں موجود ہے۔ وہ اسی حقیقت کو مسلمانوں کے ذہن نشین کرانا چاہتے تھے۔ وہ مسلمانوں کو سر تا پا عمل دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کا اصرار تھا کہ خوف، شک اور تذبذب سے انسانوں کو بچنا چاہئے اور قرآن کی روحانی حقیقت کو سمجھنا چاہئے تاکہ وہ اپنی زندگی بھی سنوار سکیں اور ملک و ملت کی تعمیر و ترقی میں نمایاں خدمات بھی انجام دے سکیں۔ ان کا پختہ عقیدہ تھا کہ قرآنی تعلیمات میں نہ صرف ملت اسلامی کی دینی و دنیاوی فلاح مضمر ہے بلکہ تمام انسانوں بشمول اہل ہند کے لئے فوز و فلاح اسی میں مستور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا آزاد نے تمام قومی و ملی اور بین الاقوامی مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں تلاش کیا۔ انہوں نے

(۱۴) مولانا ابوالکلام آزاد۔ (فکر و نظر چند جہتیں) ضیاء الحسن فاروقی (ص۔ ۵۸)

موروثی عقائد سے بیزاری، وحدت دین کی تشریح، معاشرے کی اصلاح، خدمت انسانیت اور ملک کی آزادی کے لئے جو تحریک چلائی، اس کا سارا نقشہ اسلامی ہدایات کے مطابق ترتیب دیا اور قرآنی بصیرت کی روشنی میں اپنے کردار و عمل کی تشکیل و تعمیر کی۔